© rasailojaraid.com

حکیم محمود احمد ظفر

ہندوستان میں عیسائیت کی یلغار ـ قسط ۸

شیطان نے دکھا کے جمال عروس دہر | بندہ بنا دیا ہے تجھے حب جاہ کا
اس نے دیا جواب کہ مذہب ہو یا رواج | راحت میں جو مخل ہو وہ کانٹا ہے راہ کا
افسوس ہے کہ آپ ہیں دنیا سے بے خبر | کیا جانیئے جو رنگ ہے شام و پگاہ کا
یورپ کا پیش آئے اگر آپ کو سفر | گزرے نظر سے حال رعایا و شاہ کا
وہ آب و تاب شوکت ایوان خسروی | وہ محلوں کی شان وہ جلوہ سپاہ کا
آئے نظر علوم جدیدہ کی روشنی | جس سے خجل ہو نور رخ مہر و ماہ کا
دعوت کسی امیر کے گھر میں ہو آپ کی | کمسن مسوں سے ذکر ہوں الفت کا چاہ کا
نوخیز و دلفریب، گل اندام نازنیں | عارض پہ جن کے بار ہو دامنِ نگاہ کا
رکیئے اگر تو ہنس کے کہے اک بت حسیں | "ویل مولوی"! یہ بات نہیں ہے گناہ کا
اس وقت قبلہ جھک کے کروں آپ کو سلام | پھر نام بھی حضور جو لیں خانقاہ کا
پتلون و کوٹ، بنگلہ و بسکٹ کی دھن بند ہے | سودا جناب کو بھی ہو ترکی کلاہ کا
منبر پہ یوں تو بیٹھ کے گوشے میں اے جناب | سبب جانتے ہیں وعظ ثواب و گناہ کا

غرض کہ اس زمانہ کے ہر صحیح العقیدہ شخص نے سر سید کے ان خیالات کی جن کو وہ یورپ سے درآمد کر کے لائے تھے اور ملکہ وکٹوریہ کے ڈنر اور لنچ میں ان کی خاص ہدایات کے تحت وہ نظریات گھڑے گئے تھے سخت مخالفت کی۔

کہا جاتا ہے ۱۸۶۹ء میں سر سید نے جب انگلستان کا دورہ کیا جہاں ان کا لڑکا سید محمود زیرِ تعلیم تھا۔ ملکہ وکٹوریہ نے انگلستان کے قیام کے زمانہ میں آپ کی بڑی عزت و تکریم کی۔

سر سید نے انگلستان میں سترہ (۱۷) ماہ قیام کیا۔ وہاں سے "عقیدہ حجاز سے لو اور تہذیب و تمدن مغرب سے" کا پیغام لے کر لوٹے۔ لندن کی تہذیب نے حجازی فکر ہی کو بدل ڈالا اور ہندوستان آ کر عقیدہ بھی مغرب سے لینے کا نظریہ قائم کر لیا۔ اور انگریزوں سے کچھ ایسے متاثر ہوئے کہ جنت، دوزخ، فرشتے، معجزات، قیاس اور اجماع وغیرہ سب کا انکار کرتے۔

تفصیل کے لئے مولانا الطاف حسین حالی کی "حیات جاوید" کا مطالعہ ضروری ہے۔ سر سید نے قرآنِ حکیم کی ایسی تاویل کی جس سے صرف قرآن ہی کی تحریف نہیں بلکہ عربی زبان اور نحوی قواعد کی بھی تحریف ہوتی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اجماع مفسرین میں بھی دراڑ پیدا کی۔ انہیں باتوں کی وجہ سے سید جمال الدین افغانی نے سرسید کو ہندوستان میں دہریوں کا زعیم اور سرخیل قرار دیا ہے۔ اور ان کی تردید میں ایک کتاب لکھی جس کا نام "الرد علی الدھریین" رکھا۔ یہ کتاب فارسی زبان میں لکھی تھی لیکن ان کے شاگرد مفتی محمد عبدہ نے اس کو عربی زبان میں منتقل کیا۔ "العروۃ الوثقیٰ" میں بھی سید جمال الدین افغانی نے سرسید اور تحریک علی گڑھ پر اس انداز کے چند مضامین شائع کئے۔ سرسید کی رائے کے مطابق انگریزوں کے خلاف جہاد کرنا صحیح نہ تھا۔ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے دوران سرسید نے انگریز سپاہیوں کی بہت حمایت کی تھی۔

(د۔ محمد البہی: الفکر الاسلامی الحدیث و صلتہ بالاستعمار الغربی ص ۴۴، ص ۱۸۵، السعیدی! المجددون فی الاسلام ص ۴۸۳، عبد المنعم النمر! کفاح المسلمین فی تحریر الہند ص ۴۳، مسعود عالم الندوی: تاریخ الدعوۃ الاسلامیۃ فی الہند ص ۱۸۸۔ ابوالحسن الندوی: الصراع بین الفکرۃ الاسلامیۃ والفکرۃ الغربیۃ ص ۷۱-۷۹)

جس زمانہ میں سرسید احمد خان اور مرزا غلام احمد قادیانی پیدا ہوئے ہیں یہ وہ زمانہ تھا جب انگریز کی حکومت نئی نئی قائم ہوئی تھی۔ انگریز ایک تجارتی کمپنی کی شکل میں ہندوستان آیا تھا۔ اور ایک قلیل عرصہ میں اسنے یہاں سیاسی غدار پیدا کر کے سرزمینِ پاک و ہند پر قبضہ کر لیا۔ ہندوستان پر انگریزوں کا مکمل قبضہ ہونے سے قبل سرزمین پاک و ہند کے باسیوں نے ۱۸۵۷ء میں ایک عام بغاوت کی تاکہ آخری بار انگریزوں کے خلاف قسمت آزمائی ہو سکے۔ یہ بغاوت اور ہنگامہ محض وقتی نہیں تھا بلکہ ایک عرصہ سے اس کی چنگاریاں ہندوستانی لوگوں کے جذبات خصوصی طور پر مسلمانوں کے جذبات کی خاکستر میں سلگ رہی تھیں۔ لارڈ ڈلہوزی کے مستعفی ہونے کے بعد لارڈ کیننگ (۱۸۵۶-۱۸۶۲ء) کو ہندوستان کا گورنر جنرل مقرر کیا گیا۔ کمپنی کی مجلس نظامت نے لندن میں لارڈ کیننگ کو ایک الوداعی پارٹی دی۔ اس پارٹی میں تقریر کرتے ہوئے لارڈ کیننگ نے کہا "میری خواہش ہے کہ میرا عہد حکومت پرامن رہے۔ لیکن میں اس بات کو نہیں بھول سکتا کہ ہندوستان کی فضا میں بادل کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا دکھائی دے گا۔ اتنا چھوٹا جتنا انسانی ہاتھ۔ لیکن یہ ٹکڑا اتنا بڑا ہوتا جائے گا کہ خود ہمارا وجود خطرے میں پڑ جائے گا"۔

اگلے سال بنگال آرمی کے فوجیوں نے بغاوت کر دی۔ انسانی ہاتھ اتنا بڑا بادل میرٹھ سے اٹھا۔ بادل بڑا ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ وہ شمالی ہندوستان پر چھا گیا۔

۱۸۵۷ء کی بغاوت ایسی ہی اٹھ کھڑی نہیں ہوئی تھی بلکہ اس کے پیچھے انگریزوں کا وہ ظلم و تشدد تھا جو سرمایہ دارانہ نظام کا ایک خاصہ اور ظالموں کی حکومت کی ایک تمہید تھا۔ عوام یہ سمجھتے تھے کہ جب ابھی سے کارکنانِ حکومت کے ظلم و تشدد اور وحشت و بربریت کا یہ عالم ہے تو ان کی حکومت کے مستقل طور پر قائم ہونے کے بعد کیا نتائج نکلیں گے۔

انگریزی حکومت نے ہندوستان میں کیا کچھ کیا اور لوگ ان کے خلاف اٹھنے پر کیوں مجبور ہوئے؟ اس کے کچھ سیاسی اسباب تھے اور کچھ معاشرتی وجوہات۔ کسی اور کتاب سے نہیں بلکہ سرسید احمد خان کی کتاب سے ان اسباب کو نقل کرنا چاہتے ہیں۔ جنہوں نے سرزمین پاک و ہند کے باسیوں کو انگریزوں کے خلاف بغاوت پر مجبور کیا۔ ان اسباب کو دیکھتے ہوئے قارئین کرام خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ۱۸۵۷ء کی بغاوت میں جن لوگوں نے انگریزوں کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حمایت کی تھی وہ کہاں تک صحیح تھے؟ وہ نہ صرف وطن کے غدار تھے بلکہ دین و ملت کے بھی دشمن تھے۔ اور انہوں نے ملت اسلامیہ کے ساتھ وہ غداری کی کہ ملت تاقیامت اسے فراموش نہیں کر سکتی۔ انہی لوگوں کی غداری بلکہ دھوکہ دہی کا نتیجہ تھا کہ ملت اسلامیہ اور مسلم قوم ڈیڑھ سو سال انگریزوں کی غلامی کے شکنجے میں کراہتی رہی۔ ہزاروں علماء نے پھانسیوں کے رسوں کو اپنی گردن میں ڈالا اور ہزاروں ہی کی تعداد نے دائمی جلاء وطنی کی زندگی گزار دی۔ ان کی جائیدادیں ضبط ہوئیں۔ اور وہ ساری عمر فاقہ کشی کی زندگی بسر کرتے رہے۔

اس بغاوت کے اسباب کیا تھے؟ سرسید احمد خان نے اس کے بارے میں ایک کتاب "اسبابِ بغاوت" کے نام سے تحریر کی ہے۔ اس کے چند اقتباسات یہاں نقل کئے جاتے ہیں۔ تاکہ انگریزوں کی ان زیادتیوں کا پتہ چل سکے جو انہوں نے لوگوں پر روا رکھیں۔

۱۔ قوانین ضبطی اراضیات لاخراج جس کا آخر قانون ۱۸۹۲ء ہے۔ حکومت ہندوستان کو نہایت مضر تھا۔ ضبطی اراضیات نے جس قدر ناراض اور بدخواہ ہماری گورنمنٹ کا کر دیا تھا(۱) اس سے زیادہ اور کسی چیز کا نہیں کیا تھا۔ سچ فرمایا تھا لارڈ ہڈ اور ڈیوک اور ولنگٹن صاحب بہادر نے کہ ضبط کرنا معافیات کا ہندوستانیوں سے دشمنی پیدا کرنی اور ان کو محتاج کر دینا ہے۔ میں نہیں بیان کر سکتا کہ ہندوستانیوں کو کس قدر ناراضگی اور دلی رنج اور ہماری گورنمنٹ کی بدخواہی اور نیز کتنی مصیبت اور تنگی معاش اس سبب سے ان کو تھی۔ بہت سی معافیات صدہا سال سے چلی آتی تھیں۔ جو ادنیٰ ادنیٰ حیلہ پر ضبط ہو گئیں۔ ہندوستانی صاف خیال کرتے تھے کہ سرکار نے خود تو ہماری پرورش نہیں کی بلکہ جو جاگیر ہم کو اور ہمارے بزرگوں کو اگلے بادشاہوں نے دی تھیں وہ بھی گورنمنٹ نے چھین لیں۔ پھر ہم کو اور کیا توقع گورنمنٹ سے ہے۔

(اسبابِ بغاوت ہند صفحہ ۲۵-۲۶)

ضبطیٔ جائیداد کے ساتھ دوسرا قاعدہ نیلام زمینداری کا تھا۔ اس کے نتائج کے بارے میں سید احمد خان کی شہادت ہے کہ:

"بعوض زر قرضہ نیلام حقیقت کے رواج نے بہت سے فساد برپا کئے۔ مہاجنوں اور روپیہ والوں نے دم دے کر زمینداروں کو روپے دیئے اور قصداً ان کی زمینداری چھین لینے کو بہت فریب برپا کئے اور دیوانی میں ہر قسم کے جھوٹے سچے مقدمات لگائے اور قدیم زمینداروں کو بے دخل کیا اور خود مالک بن گئے۔ ان آفات نے تمام ملک کے زمینداروں کو ہلا ڈالا۔

(اسبابِ بغاوت ہند ص ۲۸)

"ابتداء عملداری سے آج تک شاید کوئی گاؤں ایسا ہو گا جس میں تھوڑا بہت انتقال (رد و بدل) نہ ہوا ہو۔ ابتداء میں ان نیلاموں نے ایسی بے ترتیبی سے کثرت پکڑی کہ تمام ملک الٹ پلٹ ہو گیا"۔

۱۔ ملاحظہ فرمایئے وہ بدیشی حکومت جس نے اہلِ اسلام کو ذلیل کر کے رکھ دیا اور ان پر طرح طرح کے مظالم توڑے۔ مسلم اوقاف کو بحق سرکار بلکہ بحق عیسائیت ضبط کیا۔ اس حکومت کو سرسید احمد خان اپنی گورنمنٹ کہہ رہے ہیں۔ تفو بر تو اے چرخ گرداں تفو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(اس سلسلہ میں مسٹر کئی (KAY) نے بنگال کے ایک مقدمہ کا حوالہ دیا ہے جس میں چار روپیہ کی ڈگری کے عوض ایک جاگیر نیلام کا حکم دے دیا گیا تھا۔ حاشیہ صفحہ نمبر ۱۷۸ ۔بحوالہ ۱۸۵۷ء از مولانا غلام رسول مہر)

اس اقتباس میں چونکہ مہاجنوں کا ذکر ہے لہذا واقعہ کی صحیح تصویر نظر میں لانے کے لئے مسئلہ سود کا بھی صحیح خاکہ ذہن میں رکھیئے۔

بے شک ہندوستان میں سود کا رواج ہمیشہ سے رہا لیکن ایسٹ انڈیا کمپنی کی وحشیانہ بھوک معمولی سود سے نہیں مر سکتی تھی۔ اس نے سود در سود (COMPOUND INTEREST) کا قانون بنایا جس کی ٹھنڈی مار نے تھوڑے ہی دنوں میں ہندوستان کا اقتصادی ڈھانچہ درہم برہم کر دیا۔ بڑے بڑے گھرانے ختم ہو گئے۔ ان کے سایہ میں پرورش پانے والے ہزاروں لاکھوں نفوس اناج کے ایک ایک دانہ کے محتاج ہو گئے۔ اور دولت کے یہ انبار یورپ کے ساہوکاروں یا ان ہندوستانی مہاجنوں کی تجوریوں میں بند ہو گئے جن کے باورچی خانہ کا دھواں بھی کسی کو نظر نہیں آسکتا تھا۔

آج سوشلزم اور کمیونزم کے دور میں زمینداری کا لفظ ایسا ناگوار ہو گیا ہے کہ کان اس کا نام بھی سننے کے لئے تیار نہیں۔ لیکن اس جاگیرداری اور زمینداری کے بارے میں سرسید سے سنیئے سرسید اگرچہ زمینداروں کے حامی نہیں ہیں مگر جو بات حق ہے اس کا اظہار وہ بھی ضروری رکھتے ہیں۔ لکھتے ہیں:

"اگر خیال کیا جائے تو ہندوستان میں ہر ایک محال زمینداری کا "ایک چھوٹی سی سلطنت" دکھائی دیتی ہے۔ قدیم سے دستور ہے کہ سب کی رضامندی سے ایک شخص سردار ہوتا ہے۔ وہ ایک بات تجویز کرتا تھا اور ہر ایک حقیت دار کو بقدر اپنے حصہ زمینداری کے بولنے کا دخل دینے کا اختیار ہوتا تھا۔ رعیت باشندۂ دیہہ (گاؤں میں رہنے والوں کے) چودھری بھی حاضر ہو کر کچھ کچھ گفتگو کرتے تھے۔ اگر کسی مقدمہ نے زیادہ طول پکڑا تو کسی بڑے گاؤں کے مقدم اور سردار کے حکم سے فیصلہ ہو گیا۔ ہندوستان کے ہر ایک گاؤں میں بہت خاصی صورت ایک چھوٹی سلطنت اور پارلیمنٹ کی موجود تھی۔

(اسباب بغاوت ہند ص ۲۷)

زمینداری اور جاگیرداری کے دور میں عدل و انصاف اور شہری حقوق کی ادائیگی کی یہ ایک صورت تھی۔ دوسری بات یہ کہ ان زمینداروں اور جاگیرداروں کا سلوک ان کے ساتھ جن کو رعایا کہا جاتا تھا کیسا ہوتا تھا۔ اس بارے میں ایک دو نہیں سینکڑوں تاریخی مثالوں کی شہادت یہ ہے کہ زمیندار اور رعایا اور راجہ و پرجا کا باہمی تعلق محبت و خیر خواہی، پرورش اور وفاداری کا ہر دل عزیز رشتہ ہوتا تھا۔

یورپین نفع اندوزوں کی آمد کے بعد جب استحصال بالجبر، نفس پرستی، بے دردانہ قتل و غارت اور انسانی حقوق سے بے پروائی اور بے تعلقی کے ناپاک تخفے جگہ جگہ تقسیم ہونے لگے اور بے مروتی، خودغرضی اور محنت کشی نے سکۂ رائج وقت کی حیثیت اختیار کرلی تو کچھ زمینداروں اور جاگیرداروں نے بھی وہ ظلم و تعدی اور وحشت و بربریت اختیار کی جس کی مثالیں پیش کر کے موجودہ نسلوں کو اپنے پیش رو بزرگوں سے نفرت دلائی جاتی ہے۔ مگر اسی گئے گزرے دور میں جبکہ یورپین نفع اندوزوں کو قدم جمائے ہوئے ڈیڑھ سو برس گزر چکے تھے وہ مثالیں بھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سامنے آتی ہیں جن کی شہادت یہ ہے کہ بادِ سموم کی تمام آتش انگیزیوں اور شعلہ افشانیوں کے باوجود رعایا پروری اور غرباء نوازی کے چمن اب بھی بالکل خشک نہیں ہوئے تھے۔ ممنت کش طبقہ کسی بھی عنوان سے جب اپنے زمینداروں اور جاگیرداروں کی پناہ ڈھونڈتا تھا تو یہ خزاں رسیدہ چمن اور گلشن تازگی اور آسودگی کی بخشش میں فراخ حوصلگی کی مردہ روایتیں زندہ کرنے میں کوتاہی نہیں کیا کرتے تھے۔ ہندوستان کے سب سے بڑے نامور جاگیردار بہادر شاہ ظفر کی سیر چشمی اور فراخ حوصلگی کی صرف ایک روایت جو دہلی کے دیہات میں مشہور ہے پیش کی جاتی ہے وہ بھی اس جاگیردار کی زبانی نہیں بلکہ ایک دہقان کی زبان سے سنیئے:

"غدر سے پہلے پرانے قلعے کی دھرتی میں باجرا بہت اچھا پیدا ہوتا تھا۔ یہ دھرتی ہمارے پاس تھی۔ ہم سرکاری لگان صرف یہ تھا کہ بادشاہ سلامت کے کبوتروں کے واسطے ہل پیچھے سوا سیر باجرہ دینا پڑتا تھا۔

بوڑھے دہقان نے کہا۔ گوجروں کی قوم بہت شریر ہوتی ہے۔ ایک دفعہ ہم لوگوں کے دل میں شرارت آئی۔ ہم نے سوچا کہ اس مرتبہ باجرے کو بھی گول کر جاؤ اور بادشاہ سلامت کو کسی طرح پھسلا دو۔ بات یہ تھی کہ اس سال برکھا کچھ کم ہوئی تھی۔ اگر ہم ایسے ہی سیدھی طرح بادشاہ سلامت سے معافی مانگ لیتے تو لگان معاف ہو جاتا۔ مگر ہمیں چال سوجھی کہ ہم نے باجرے کی بالیں صفائی سے کاٹ لیں اور خالی پودے کھیتوں میں کھڑے رہنے دیئے۔ پھر ہمارے کسان لال قلعہ کے جھروکوں کے سامنے جمنا کی ریتی پر جا پڑے اور بادشاہ سلامت کو دہائی کا شور مچانے لگے۔ شور و غل کی آواز بادشاہ تک پہنچی تو جہاں پناہ نے جھروکوں میں آ کر ہمیں درشن دیئے "کیا بات ہے کیسا شور ہے؟" جہاں پناہ کے ایک نقیب نے دریافت کیا۔

"سرکار ہم لٹ گئے۔ کھاری باؤلی کے بنیوں نے باجرے کا بیج جانے کیا دیا کہ پیڑ تو خوب اُگ آئے ہرے بھرے خوب ہیں لیکن بال ایک بھی نہیں آئی اب ہم جہاں پناہ کے کبوتروں کا باجرا کیسے ادا کریں گے۔ اس سال لگان معاف کر دیا جائے کسانوں نے یہ درخواست کی"۔

"اچھا کل ہم خود موقع پر پہنچ کر ملاحظہ کریں گے۔ پھر حکم دیں گے"۔ بادشاہ نے جواب دیا۔ چنانچہ دوسرے دن شام کے وقت بادشاہ سلامت ہوادار پر سوار ہو کر پرانے قلعے آئے۔ کھیتوں کو ملاحظہ فرمایا۔ وہاں کوئی بال چھوڑی ہوتی تو نظر آتی۔ بادشاہ سلامت نے دور ہی سے کھیتوں پر نظر ڈال کر فرمایا "امّاں[۱]! گوجروں کی فریاد ٹھیک ہے۔ کھاری باؤلی کے بنیوں نے بڑا دھوکہ کیا۔ کل کو انہیں بلواؤ اچھا جاؤ اس سال لگان معاف"۔

دہقان کا کہنا ہے کہ گاؤں کے سمجھدار مکھیا وغیرہ اس کھیل میں شریک نہیں تھے۔ وہ بخار کا بہانہ بنا کر گھروں میں لیٹ گئے تھے۔ انہیں خیال تھا کہ بادشاہ سلامت ایسے بے وقوف ہیں ہے۔ وہ جب پیڑ دیکھیں گے اصل بات سمجھ جائیں گے۔ پھر ان کی خفگی جانے کیسا رنگ لائے۔

بات بھی یہی تھی۔ بادشاہ سلامت ایسے بے وقوف نہیں تھے مگر یہ رعایا کا ناز تھا اور وہ ناز برداری اور رعایا پروری۔ سچ ہے "آدمی آدمی انتر ہے کوئی ہیرا ہے کوئی کنکر ہے"۔ (افسانۂ غم ص ۱۲۶)

اس قسم کی بہت سی مثالیں آپ کو اس زمینداری اور جاگیرداری نظام میں ملیں گی۔

۱۔ بادشاہ کا تکیہ کلام تھا۔ ارے میاں کے بجائے اماں کہا کرتے تھے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زمینداروں کا ظلم و ستم تو زیادہ تر ان گوری چمڑی والوں کی آمد کے بعد شروع ہوا۔ بادشاہ سلامت اچھے تھے یا برے۔ بادشاہ بیگم کا کردار کیا تھا۔ ان سب سے قطع نظر یہ ہمدردی اور وطن کے دکھی انسانوں سے یہ میل جول وہ جوہر ہے جو اس جاگیرداری اور زمینداری میں کمیاب نہیں تھا۔

پھر ایسٹ انڈیا کمپنی نے صرف جاگیرداری نظام ہی میں خرابیاں پیدا نہ کی تھیں بلکہ اس کمپنی نے اپنے دورِ تسلط میں جاگیرداری سے کہیں زیادہ صنعت و تجارت کو برباد کر دیا تھا۔ اور وہ ہندوستان کو علوم و فنون میں تمام دنیا سے فائق، فراوانیٔ دولت میں سونے کی چڑیا، خوشحالی میں رشک ارم اور راحت و آرام میں جنت نشان مانا جاتا تھا اس کو انتہائی بے دردی سے اور خود غرضی سے تباہ کاری اور غارت گری کا تختۂ مشق بنا کر اتنا برباد کر دیا تھا کہ اب وہ علم و ہنر سے تہی دامن، قحط زدہ، فاقہ مست اور کاشتکاروں اور بے ہنر مزدوروں کا ویران خانہ بن کر رہ گیا تھا۔ کہیں کہیں کوئی شمع باقی رہ گئی تھی تو لارڈ ہیسٹنگز اور لارڈ ڈلہوزی جیسے ستم ایجاد گورنر جنرلوں کی پھونکیں ان کو بھی بجھا چکی تھیں۔ یا بجھا رہی تھیں۔ تاریخ ہندوستان کی یہ المناک حقیقتیں اتنی واضح ہو چکی ہیں کہ تحریر کی ضرورت نہیں۔ تفصیل درکار ہو تو شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ کی نقشِ حیات جلد اول کا مطالعہ فرمائیں۔

سرسید احمد خان نے اس بارے میں لکھا ہے کہ:

"اہلِ حرفہ کا روزگار بسبب جاری اور رائج ہونے اشیاء و تجارت ولایت کے بالکل جاتا رہا یہاں تک کہ ہندوستان میں کوئی سوئی بنانے والے اور دیا سلائی بنانے والے کو بھی نہیں پوچھتا تھا پارچہ بافوں کا تار تو بالکل ٹوٹ گیا تھا۔ اسی وجہ سے سب سے زیادہ اس ہنگامہ میں یہی لوگ گرم جوش تھے۔

(اسبابِ بغاوت ہند ص ۳۶)

یہ تو جاگیرداری اور صنعت و حرفت کے بارے میں تھا۔ لیکن عام لوگ جو نہ جاگیردار تھے نہ جاگیر دار اور سرمایہ دار، ان کے تاثرات بھی سرسید احمد خان نے نقل کئے ہیں۔ وہ بھی اس بدیشی حکومت سے سخت نالاں تھے۔ سرسید لکھتے ہیں کہ:

"ہندوستان کی رعایا روز بروز مفلس ہوتی جاتی تھی۔ ٹیکس کی زیادتی نے زمینداروں اور کاشتکاروں کو تباہ کر دیا تھا۔ بقایا وصول کرنے کے لئے زمینداریاں نیلام کرائی جاتی تھیں۔ جو ہندوستان میں بالکل نیا دستور تھا۔ ولایتی مال کی آمد نے اہل حرفہ کو برباد کر دیا تھا۔ بایں ہمہ حکوت نے پرامیسری نوٹ جاری کر دیئے جس پر مالک سے سود وصول کیا جاتا تھا۔ اگلی عملداریوں میں شاہی انعام و اکرام آسودگی رعایا کا ایک مستقل ذریعہ تھا۔ جب شاہ جہان تخت پر بیٹھا تو صرف تخت نشینی کے دن چار لاکھ بیگہ زمین اور ایک سو بیس گاؤں اور لاکھوں روپے انعام دیئے تھے۔ یہ بات ہماری گورنمنٹ میں یک قلم مسدود تھی۔ بلکہ پہلی جاگیریں بھی ضبط ہو گئی تھیں۔ اس عام افلاس کا نتیجہ تھا کہ جب باغیوں نے لوگوں کو نوکر رکھنا چاہا تو جیسے بھوکا آدمی "قحط کے دنوں میں اناج پر گرتا ہے" اسی طرح یہ لوگ نوکریوں پر جا گرے۔ بہت سے آدمی صرف آنہ یومیہ پر نوکر ہوئے تھے اور بہت سے آدمی سیر ڈیڑھ سیر یومیہ اناج پاتے تھے"۔

آخر میں سرسید مرحوم نہایت جوش میں لکھتے ہیں:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"غرض کہ ملک ہر طرح سے مفلس ہو گیا تھا۔ اگلے خاندان جن کو ہزاروں کا مقدور تھا معاش سے بھی تنگ آ گئے تھے اور یہ اصلی سبب ناراضگی رعایا کا گورنمنٹ سے تھا۔

لوگوں کے دل جو تبدیلیٔ عملداری کو چاہتے تھے اور نئی عملداری کے لئے راغب اور دل سے اس سے خوش تھے میں سچ کہتا ہوں کہ اسی سبب سے تھے۔ ہم سچ کہتے ہیں اور پھر ہم سچ کہتے ہیں کہ ہم بہت سچ کہتے ہیں کہ جب افغانستان سرکار نے فتح کیا تو لوگوں کو بڑا غم ہوا کیا سبب تھا؟

صرف یہ سبب تھا کہ اب مذہب پر علانیہ دست اندازی ہو گی۔ جب گوالیار فتح ہوا، پنجاب فتح ہوا، اودھ لیا گیا تو لوگوں کو کمال رنج ہوا۔ کیوں ہوا؟ اس لئے ہوا کہ ان کے پاس کی ہندوستانی عملداریوں سے ہندوستانیوں کو بہت آسودگی تھی۔ نوکریاں اکثر ہاتھ آتی تھیں۔ ہر قسم کی ہندوستانی اشیاء کی تجارت بکثرت تھی۔ ان عملداریوں کے خراب ہونے سے زیادہ سے زیادہ افلاس اور محتاجی ہوتی جاتی تھی۔ (اسبابِ بغاوتِ ہند ص ۳۵-۳۷)

یہ تو اقتصادیات اور صنعت و حرفت کی تباہی تھی۔ لیکن انگریزوں نے تو مذہب و تہذیب کو بھی برباد کر دیا تھا۔ مذہب اور تہذیب انقلاب کا ایک بہت بڑا محرک ہے اور ایسا طاقتور جذبہ ہے جو انسان کو ہر ایک قربانی پر آمادہ کر دیتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ موت کو حیات اور فنا کو بقاء سمجھنے لگتا ہے۔

مذہب بسا اوقات ذاتی رجحانات کا نتیجہ ہوتا ہے اور تہذیب کو انسان اپنا خاندانی اور آبائی ترکہ تصور کرتا ہے۔ جس طرح موروثی جائیداد کی حفاظت کے لئے جان ہتھیلی پر لئے رہتا ہے اسی طرح حفاظت تہذیب کے لئے بھی وہ ہمیشہ کفن بردوش رہتا ہے۔

سرسید کا بیان ہے کہ انگریزوں نے مسلمانوں کی تہذیب و تمدن، اقتصادیات و معاشیات، دین و مذہب غرضیکہ ہر شے تباہ و برباد کرنے کا عزم کر رکھا تھا اور سرسید اور مرزا غلام احمد قادیانی جیسے لوگ پھر بھی انگریزوں کی حمایت میں سرگرداں تھے۔ اور لوگوں کو انگریزوں کے خلاف بغاوت نہ کرنے کی تلقین کرتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ایسے حضرات میں نہ دینی حمیت تھی اور نہ قومی غیرت۔ ہم نے سرسید کے اتنے لمبے اقتباسات صرف اس لئے دیئے ہیں تاکہ پتہ چلے کہ باوجود اس بات کے کہ سرسید احمد خان یہ جانتا تھا کہ انگریز ہندوستانیوں پر اور خصوصی طور پر مسلمانوں پر زیادتی کر رہے ہیں لیکن اس کے باوجود سرسید احمد خان اور اس کے ساتھی انگریزوں کی ناجائز حمایت پر ادھار کھائے ہوئے ہیں۔

سرسید مرحوم کے ذہن میں انگریزوں کی اتنی محبت اور عقیدت بھری ہوئی تھی کہ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے بارے میں جب علماء نے فتویٰ دیا تو سرسید بہت سیخ پا ہوئے اور جو کچھ منہ میں آیا ان کے خلاف کہہ دیا۔ چنانچہ اپنی مشہور کتاب "اسبابِ بغاوتِ ہند" میں ایک جگہ فرمایا:

"اور یہ جو ہر ضلع میں باغی اور جاہلوں[۱] کی طرف سے جہاد کا نام ہوا اگر ہم اس کو جہاد فرض کریں تو بھی اس کی

۱۔ یہ باغی اور جاہل کے القاب کن لوگوں کو دیئے جا رہے ہیں۔ کیا حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی، حضرت مولانا حاجی امداد اللہ صاحب، مہاجر مکیؒ، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حضرت مولانا احمد اللہ شاہؒ، حضرت مولانا لیاقت علیؒ، حضرت مولانا فیض احمدؒ، حضرت مولانا کفایت علیؒ اور حضرت مفتی عنایت احمد کاکورویؒ جیسے اکابر علماء کے لئے یہ الفاظ و القاب استعمال کر رہے ہیں؟

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سازش و اصلاح قبل دسویں مئی ۱۸۵۷ء مطلق نہ تھی۔ غور کرنا چاہیئے کہ اس زمانہ میں جن لوگوں نے جھنڈا اسلام کا بلند کیا ایسے خراب اور بد رویہ اور بد اطوار آدمی تھے کہ بجز شراب خوری اور تماش بینی اور ناچ و رنگ دیکھنے کے کچھ وظیفہ اُن کا نہ تھا۔ بھلا یہ کیونکر پیشوا اور مقتدا جہاد کے گنے جا سکتے تھے۔ اس ہنگامے میں کوئی بات بھی مذہب کے مطابق نہیں ہوئی۔ سب جانتے ہیں کہ سرکاری خزانہ اور اسباب جو امانت تھا اس میں خیانت کرنا، ملازمین کو نمک حرامی کرنی مذہب کی رو سے درست نہ تھی۔ صریح ظاہر ہے کہ بے گناہوں کا قتل علی الخصوص عورتوں، بچوں اور بڈھوں کا مذہب کے بموجب گناہ عظیم تھا۔ پھر کیونکر یہ ہنگامہ غدر جہاد ہو سکتا تھا۔ ہاں البتہ چند بدذاتوں نے دنیا کی طمع اور اپنی منفعت اور اپنے خیالات پورے کرنے اور جاہلوں کے بہکانے کو اور اپنے ساتھ جمعیت جمع کرنے کو جہاد کا نام لے دیا۔ پھر یہ بات بھی مفسدوں کی حرامزدگیوں میں سے ایک حرامزدگی تھی نہ واقع میں جہاد۔" (اسبابِ بغاوتِ ہند ص)

یہ سرسید احمد کی سیاسی سرگرمیاں تھیں جو پوری ملت مسلمہ سے الگ تھیں۔ جہاں تک دینی عقائد کا تعلق ہے وہ بھی جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے اسلام سے خاصے ہٹے ہوئے تھے۔ دین کے معاملہ میں بھی انہوں نے ہر وہ کام کیا جس سے اُن کا آقا انگریز خوش ہو چنانچہ ۱۸۶۲ء میں سرسید نے "تبیانِ الکلام" نامی ایک کتاب لکھی جس میں انہوں نے انجیل میں تحریف واقع ہونے کا انکار کیا۔ حالانکہ خود عیسائی علماء انجیل میں تحریف کا اقرار کرتے ہیں۔ اور پادری فنڈر کا حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی سے جو مناظرہ آگرہ میں ہوا تھا اس میں بھی اس نے تحریف کا اقرار کیا لیکن سرسید نے صرف اور صرف انگریزوں کی خوشنودگی کے لئے تحریف کا انکار کیا۔ سرسید نے رسالہ "تہذیب الاخلاق" جاری کیا جس کے "خاص مقاصد" تھے۔ قرآنِ حکیم کی آیات کی تحریف اور وہ مضامین نشر کرنا جن سے انگریز خوش ہو اور مسلمانوں کی جماعت میں نشیب و افتراق پیدا ہو۔ عیسائی کتابوں کا اردو میں ترجمہ کرنے اور مغربی افکار کی نشر و اشاعت کے لئے انگریزوں نے ایک علمی ادبی انجمن بنانے میں بھی سرسید سے تعاون کیا۔

۱۸۷۵ء میں غازی پور میں ملکہ وکٹوریہ کالج اور علی گڑھ میں محمڈن اینگلو اورینٹیل کالج قائم کرنے میں انگریزوں نے اس کی بہت مدد کی۔ یہ درحقیقت دینی مدارس پر ایک حملہ تھا جو مغرب کی رو میں نہیں بہنا چاہتے تھے۔ علی گڑھ تحریک کے خاص مقاصد حسب ذیل تھے۔

۱۔ مسلم خواتین کی آزادی اور مغربی عورتوں کی تقلید کی دعوت۔

۲۔ اسلام اور عیسائیت میں ہم آہنگی پیدا کرنا۔ (دوسرے لفظوں میں اسلام کو عیسائیت کی طرف دھکیلنا نہ کہ عیسائیت کو اسلام کے قریب لانا)

۳۔ انگریزوں کے خلاف جہاد نہ کرنے کی دعوت دینا کیونکہ وہ اولی الامر ہیں اور مسلمانوں سے زیادہ قوی ہیں۔

۴۔ مسلمانوں کو جامد افکار سے آزاد کرنا اور مغربی تہذیب میں پوری طرح رنگ دینا کیونکہ نجات کا یہی ایک راستہ ہے۔

(الصعیدی! المجددون فی الاسلام ص ۴۸۴، البہی! الفکر الاسلامی الحدیث ص ۴۱۔ ۴۲۔ انور الجندی! العالم الاسلامی والاستعمار ص ۱۰۴، برنارد لولیس: الغرب والشرق الاوسط ص ۱۵۵)

(باقی)

© rasailojaraid.com